مواعظِ اختر
نمبر ۴۶

راہِ خدا میں ادب کی اہمیت



شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com



راہِ خدا میں ادب کی اہمیت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی
www.hazratmeersahib.com

یہ فیضِ صحبتِ ابرار، یہ دردِ محبت ہے
محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہے تیرے نازوں کے
یہ اُمیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

یہ انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیاتِ مبارکہ میں اپنی جملہ تصانیف پر تحریر فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی جملہ تصانیف و تالیفات

مرشدنا و مولانا محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اور

حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: راہِ خدا میں ادب کی اہمیت

نامِ واعظ: محبی ومحبوبی مرشدی ومولائی سراج المِلّت والدّین شیخ العرب والعجم عارف باللہ قطب زماں مجدد دوراں حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ: ۱۲ ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۶/اگست ۱۹۸۷ء، جمعرات

مقام: منیٰ، سعودی عرب

موضوع: ضرورت شیخ، نفع دعا، تعلیم ادب

مرتب: حضرت اقدس سید عشرت جمیل میر صاحب دامت برکاتہم
خادمِ خاص وخلیفہ مجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

اشاعتِ اوّل: ۱۲ محرم ۱۴۳۶ھ مطابق ۵ نومبر ۲۰۱۴ء

ناشر: اِدارۂ تالیفاتِ اختریہ
بی ۸۴، سندھ بلوچ ہاؤسنگ سوسائٹی، گلستانِ جوہر بلاک نمبر ۱۲ کراچی

فہرست

عنوانات | صفحہ نمبر



راہِ خدا میں ادب کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

(سورۃ التوبۃ، آیت:۱۱۹)

وَقَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○

(سورۃ العنکبوت، آیت:۶۹)

وَقَالَ تَعَالٰی فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ

وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ○

(سورۃ النسآء، آیت:۶۹)

بغیر مربی و مصلح بنائے اصلاح نہیں ہوگی

ہر انسان کو اپنا کوئی مربی، مصلح اور معالج تجویز کر لینا چاہیے، عادتُ اللہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کسی کی اصلاح نہیں ہوتی، جو بغیر پیر کے ہوتا ہے اس کی اصلاح ہوتی ہی نہیں، جیسے کوئی کتاب دیکھ کر اپنی دوا خود تجویز کرلے حالانکہ طبیب بھی جب خود بیمار ہوتا ہے تو دوسرے طبیب سے علاج کرواتا ہے، اس کی وجہ اطباء نے لکھی ہے کہ رَأْیُ الْعَلِیْلِ عَلِیْلٌ علیل کی رائے بھی علیل ہوتی ہے، بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے، اگر اپنی رائے سے دوا کھائے گا تو مرے گا، لہٰذا جب حکماء خود بیمار ہوتے ہیں تو دوسرے حکیم سے علاج کراتے ہیں،

ڈاکٹر بیمار ہوگا تو دوسرے ڈاکٹر سے علاج کرائے گا۔ ایسے ہی جو روحانی امراض کا علاج اپنے لئے خود تجویز کرے گا تو ہلاک ہوجائے گا کیونکہ بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے لہٰذا ہزاروں سال سے جس شاہراہ پر تمام اولیاء اللہ اور بڑے بڑے اکابر چل رہے ہیں اس شاہراہ کو نہ چھوڑو، اپنے لیے کوئی الگ راستہ مت تجویز کرو۔ بعض وقت نفس کہتا ہے کہ کہاں پیری مریدی کے چکر میں پڑے ہوئے ہو، آزاد رہو لیکن جو سانڈ آزاد رہتا ہے تو بہت ڈنڈے کھاتا ہے، اس پر بہت لاٹھیاں برستی ہیں، ساری کھال زخمی ہوجاتی ہے اور جب بیمار ہوجاتا ہے تو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور مرجاتا ہے تو چیل کوے کھاتے ہیں، اسے مویشیوں کے ہسپتال بھی نہیں لے کر جاتے کیونکہ اس کے گلے میں کسی کی رسی ہے ہی نہیں۔ غرض یہ کہ جب انسان کسی سے وابستہ ہوتا ہے، اپنی گردن میں کسی کی رسی ڈلوالیتا ہے پھر اس کو ہر وقت اپنی اصلاح کی فکر رہتی ہے، شیخ بھی اس کے لیے دلسوزی سے دعائیں مانگتا ہے، ہر وقت فکر کرتا ہے، رات دن فکر کرتا ہے کہ کسی طرح سے اس کا مرید بھی اللہ والا بن جائے۔

مُنْعَمْ عَلَیْہِمْ کون لوگ ہیں؟

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، صدیقین، شہداء و صالحین یہ بہت بڑی نعمت ہیں، انہیں کے ذریعہ سے صراط مستقیم ملتا ہے، کتابوں سے صراط مستقیم نہیں ملتا، اور دلیل کیا ہے؟ قرآن پاک میں ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اے خدا ہمیں صراطِ مستقیم دکھایئے، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ ان کا راستہ دکھایئے جن پر آپ نے انعامات نازل فرمائے، یعنی منعم علیہم کا راستہ دکھایئے اور وہ منعم علیہم کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان منعم علیہم کے بارے میں فرماتے ہیں فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وہ منعم علیہم انبیاء کرام،

صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

کتاب اللہ کو رجال اللہ کے بغیر سمجھنا گمراہی ہے

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو صراطِ منعم علیہم میں رکھ دیا ہے کہ اگر تم صراطِ مستقیم چاہتے ہو، سیدھا راستہ چاہتے ہو تو صراطِ مستقیم کتب بینی سے نہیں ملے گا، صراطِ مستقیم کے لیے صراطِ منعم علیہم تلاش کرو (روح المعانی ج۱،ص۱۲۶ مکتبہ رشیدیہ) یہاں کتاب کا تذکرہ نہیں کیا، آدمی کا تذکرہ کیا کیونکہ کتاب آدمی نہیں بنا سکتی، آدمی آدمی بناتا ہے، آدمی سے سیکھنا پڑتا ہے، رجال اللہ سے ہم کتاب سیکھیں گے، کتاب اللہ کو رجال اللہ سے سیکھیں گے ورنہ یہی کتاب اللہ پڑھنے والے پرویزی، قادیانی اور پتہ نہیں کیا کیا ہوگئے، جن کا کوئی رہنما نہیں تھا، جن کی فکر کی نشوونما پر کوئی مربی نہیں تھا وہ قرآن کا کچھ کا کچھ مطلب سمجھ گئے۔

جیسے قرآنِ پاک میں ہے:

﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ۝﴾

(سورۃ الرحمٰن، آیت:۶)

تو یہاں نجم کے کیا معنیٰ ہیں؟ لٹریچر لکھنے والے جو صحابہ اور مفسرین کی تفاسیر کو سامنے نہیں رکھتے بلکہ اپنی ناقص سمجھ اور عربی ترجمہ کو سامنے رکھتے ہیں اور نجم کا ترجمہ ستارے سے کرتے ہیں حالانکہ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کا اجماع ہے کہ

((وَالْمُرَادُ بِالنَّجْمِ النَّبَاتُ الَّذِیْ یَنْجُمُ لَا سَاقَ لَهٗ وَبِالشَّجَرِ النَّبَاتُ الَّذِیْ لَهٗ سَاقٌ))

(روح المعانی ج۲۷، ص۱۴۲، مکتبہ رشیدیہ)

یہاں نجم کے معنیٰ وہ پودے ہیں جن کے اندر تنا نہ ہو، ایسے پودے جن میں پنڈلی نہ

ہو یعنی جو زمین پر پھیلنے والے ہیں اور شجر اس درخت کو کہتے ہیں جو تنے دار ہیں، وہ پودے جن میں ساق ہو۔ اب بتایئے ! کیا قرآنِ پاک کو کوئی لغت سے حل کرسکتا ہے؟

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○﴾

(سورۃ النجم، آیت:۱)

میں نجم کے معنی اور ہیں یعنی ستارہ کے ہیں اور یہاں نجم کے معنی بغیر تنے والے پودے کے ہیں۔ تو یہ بات کون بتائے گا؟ جس پر قرآن نازل ہوا ہے وہ بتائے گا۔ وہ نہایت ہی گمراہ شخص ہے جو یہاں نجم کے معنی ستارے کے لکھ گیا، اگر ہر پروفیسر مفسر ہوسکتا ہے تو پھر محض لغت کی مدد سے ذرا قرآن حل کر کے دکھاؤ۔

یَسْجُدٰنِ سے کیا مراد ہے؟

اسی طرح یہ لوگ یَسْجُدٰنِ کا ترجمہ لغت کی مدد سے حل کر کے یہ کرتے ہیں کہ درخت سجدہ کرتے ہیں، تو آپ میں سے کسی نے درخت کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس غلط ترجمہ کی وجہ سے اگر کوئی کافر سائنسدان یہ کہہ دے کہ نعوذ باللہ قرآن ایسے ہی قصہ کی کتاب ہے، ذرا ہمیں بھی دِکھاؤ کہ درخت کہاں سجدے کرتے ہیں؟ لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یَسْجُدٰنِ کے معانی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

وَالْمُرَادُ بِسُجُوْدِهِمَا اِنْقِيَادُهُمَا لَهٗ تَعَالٰى فِيْمَا يُرِيْدُ بِهِمَا طَبْعًا

(روح المعانی ج۲۷، ص ۱۴۲، مکتبہ رشیدیہ)

درخت تنے والے ہوں یا بغیر تنے والے ہوں ان کے سجود سے مراد ہے ان کا مسخر و منقاد ہونا یعنی آم سے آم ہی پیدا ہوگا انگور نہیں پیدا ہوگا، جس درخت کو اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لئے تخلیق کیا ہے وہ وہی پھل دے سکتا ہے، ان کے

سجدوں سے مراد ان کی اطاعت وانقیاد ہے، یہاں مطلق سجدہ مراد نہیں ہے۔

یُصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ کے معنیٰ

اسی طرح خطبہ میں جو یہ آیت پڑھی جاتی ہے کہ:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ○ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ﴾

(سورۃ الاحزاب، آیات:۷۱،۷۰)

تو دیکھو کہ لغت میں یُصۡلِحۡ کا ترجمہ کیا ہے؟ اس کا لغوی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کردے گا، ترجمہ سے اَصۡلَحَ یُصۡلِحُ کے معنی ہیں اصلاح کرنا لیکن تفسیر خازن دیکھ لو، تفسیر روح المعانی دیکھ لو، تفسیر کشاف دیکھ لو جملہ مفسرین لکھتے ہیں کہ تمام صحابہ کی روایات ہیں کہ یہاں یُصۡلِحۡ معنی میں

یَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِکُمۡ

(بیان القرآن، ج۳، ص۱۹۲، مطبع: تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

کے ہیں۔ یعنی اللہ تمہارے اعمال کو قبول کرے گا لہٰذا قرآن کو اسی طرح سمجھو جیسے صحابہ نے سمجھا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں۔

بدل کی چار اقسام

تو خیر میں یہ عرض کررہا تھا کہ صراطِ مستقیم کا بدل الکل، بدل الموافق اور بدل المطابق صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ہے اور کلامِ بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے، لہٰذا صراطِ مستقیم سے اللہ والوں ہی کا راستہ مقصود ہے، یہ بات علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں لکھ رہے ہیں کہ یہ بدل الکل من الکل ہے۔ (روح المعانی ج۱، ص۱۲۶ مکتبہ رشیدیہ) بدل کی چار قسمیں ہیں: بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط چاروں قسموں میں بدل الکل سب سے اعلیٰ ہوتا

ہے،تو یہ بدل الکل من الکل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پورا پورا صراطِ مستقیم اللہ والوں ہی کے راستے میں رکھا ہوا ہے،تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بدل الکل من الکل ہے اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ کلام بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے یعنی یہاں اللہ والوں ہی کا راستہ مقصود ہے،صراط مستقیم انہیں سے ملے گا۔جن لوگوں نے خالی کتابوں سے اللہ کا راستہ حاصل کرنے کی کوشش کی دیکھ لو ان کے کیا حالات ہیں،کہیں جاہ میں مبتلا ہوگئے،کہیں مال کی محبت میں،کہیں کسی چیز کی وجہ سے راستہ سے ہٹ گئے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب اگر کوئی سوال کرے کہ اگر ترکیبِ بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے غیر مقصود یعنی صراطِ مستقیم کیوں نازل کیا؟ مقصود یعنی صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ہی نازل فرمادیتے۔تو حکیم الامت نے اس کا جواب دیا کہ چونکہ صراطِ مستقیم مبدل منہ ہے اور اس میں ایک ایسی صفت ہے جو بدل میں نہیں ہے، صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں استقامت کا لفظ نہیں ہے۔لہٰذا مبدل منہ کو بھی نازل کردیا کیونکہ اس میں استقامت کی صفت ہے،تاکہ سب کو معلوم ہوجائے کہ یہ اللہ والے جو ہیں ان کی صراط میں استقامت بھی ہے،اگر مبدل منہ نازل نہ ہوتا تو اس صفت کا پتہ نہ چلتا لہٰذا اس کو غیر مقصود نہیں کہا جاسکتا،غیر مقصود ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک وصف ایسا رکھ دیا اور آگے اس وصف کو ہٹا دیا تاکہ اللہ کے کلام پر غیر مقصودیت کا عنوان نہ ہو،علماء نحو اور امام سیبویہ وغیرہ کوئی اس پر اعتراض نہ کرسکے ورنہ تمام علمائے نحو کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے کلامِ غیر مقصود نازل کردیا،تو یہ غیر مقصود نہیں ہے کیونکہ آگے بدل میں صفتِ استقامت نہیں ہے، اہل اللہ کا تذکرہ تو ہے صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ مگر ان کے راستے کی استقامت کا

تذکرہ نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے کلام کی بلاغت وفصاحت دیکھئے!

اللہ والوں سے جتنا حسنِ رفاقت ہوگا اتنا ہی زیادہ فیض ہوگا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یعنی یہ منعم علیہم بہت اچھے رفیق ہیں۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آدمی جس سے بیعت ہوا سے اپنے مربی، اپنے شیخ سے جتنا حسنِ رفاقت ہوگا، اللہ والوں سے جتنا حسنِ رفاقت ہوگا، جتنی اچھی دوستی ہوگی، جتنا زیادہ اطاعت واتباع اور اپنے نفس کو مٹانا ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کو فیض پہنچے گا، جیسے دیسی آم میں لنگڑے آم کی پیوند لگا کر دیسی آم کو لنگڑا آم بناتے ہیں تو جس میں جتنا زیادہ محبت واخلاص ہوگا اس کو اتنا زیادہ فیض حاصل ہوگا۔ یہ بات وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا سے معلوم ہوئی کہ ان کو اپنا رفیق بناؤ مگر رفاقت حسین ہو، خالی مرید ہونے سے کام نہیں چلے گا کہ جب عورتیں سامنے آئیں تو انہیں دیکھ رہے ہیں، پیر کوئی ہر وقت تمہارے ساتھ سڑکوں پر دکانوں پر تھوڑی بیٹھا رہے گا۔ آپ عطر بیچ رہے ہیں اور کوئی عورت خریدنے آئی تو کیا شیخ وہاں بیٹھا ہوگا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کے ساتھ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا کی قید لگا دی، یعنی اللہ والوں کی صحبت کے ساتھ مجاہدہ بھی کرو۔

صحبت اہل اللہ میں رہنے کی مدت

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ یعنی تقویٰ اختیار کرو اور اللہ والوں کے ساتھ رہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اہل اللہ کے پاس کتنی مدت رہو؟ اس کا جواب علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ

(روح المعانی، ج۱۱، ص۷۶، مکتبہ رشیدیہ)

اہل اللہ کے پاس اتنا رہو کہ تم بھی ان جیسے ہوجاؤ۔ کُوْنُوْا کے معنی خَالِطُوْا کے ہیں، لیکن ان سے کتنی مخالطت رکھو، کتنا ملنا جلنا رکھو، لِتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ اتنی مخالطت رکھو کہ تم بھی ان جیسے ہوجاؤ۔ شیخ کا دردِ دل، شیخ کا اخلاق اور شیخ کی اتباعِ سنت آپ کے دل میں منتقل ہوجائے، وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں کتنا بھی غم آئے، نظر بچانے میں کتنا بھی غم ہو، چاہے کتنا ہی مال آرہا ہو مگر اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے تو وہاں رُک جاؤ۔ بس یہ مجاہدہ ہو اور ساتھ ساتھ اہل اللہ کی صحبت بھی ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ کام بن جائے گا۔

شیخ سے اپنے امراضِ باطنی کی اصلاح کراؤ

پیر کا حق بس یہی ہے وہ ہمیں جتنا علاج یعنی نفل ذکر وغیرہ بتائے اس میں تو اس کی اتباع ہے، لیکن وہ ہمارے مغرب کے فرض میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا، اور یہ بھی اس کے ذمہ نہیں ہے کہ جب آپ شادی کریں تو شیخ سے ضرور مشورہ لیں، بزرگوں نے منع کیا ہے کہ معاشرت کے معاملے میں، کاروبار کے معاملے میں شیخ سے مشورہ مت لو کیونکہ اگر خدانخواستہ کاروبار فیل ہوگیا تو کہو گے کہ ہم ایسے پیر کو طلاق دیتے ہیں، یہ کیسا پیر ہے کہ ہمارا کاروبار تباہ ہوگیا۔ تو پیر کے ذمہ فیکٹری چلانا یا ہمارا کاروبار چلانا نہیں ہے، اس کے لیے اہلِ فن اور اہلِ تجربہ سے مشورہ کرو، پیر سے تو صرف دعا لے لو۔ پیر کے حقوق کے بارے میں کتابوں کے اندر سب چھپا ہوا ہے، ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیں لکھ دی ہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں بھی سب لکھا ہوا ہے، لیکن پیر کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اس کے سامنے اپنے تمام روگ، سارے روحانی امراض پیش کردو اور بالکل شرم نہ کرو، کتنی ہی گندی سے گندی بیماری ہو شیخ کو

بتانے میں کوئی شرم نہ کرو، اللہ والے کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے لیکن ان شاء اللہ ان کے سامنے رونے سے روگ اچھا ہوجائے گا، ابھی تو یہ خالی جوگی ہے پھر نِرو گی ہوجائے گا یعنی نیک ہوجائے گا اور اگر روگ نہیں نکلوایا تو بھوگی ہوجائے گا یعنی بدمعاشیاں کرنے لگے گا۔ تو شیخ کو اپنے تمام امراض کی اطلاع کرو اور وہ جو بات کہے اس پر ہمت سے کام لے کر عمل کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ چند دن عمل کی برکت سے راستہ صاف ہوجائے گا اور آپ تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے ولی بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت دو جہاں سے بڑھ کے ہے

جن کو اللہ کے نام میں مزہ آتا ہے اس کی لذت وہی جانتے ہیں۔ حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں جنت میں جاؤں گا اور میرے پاس حوریں آئیں گی تو میں حوروں سے کہوں گا کہ قرآن سننا ہو تو بیٹھو ورنہ اپنا راستہ لو۔ لیکن آج ہم لوگ کیا امید لگائے ہوئے ہیں کہ حوریں ملیں گی تو جنت میں ایک صوبہ دبوچستان بناؤں گا۔ اللہ کے نام میں اتنا مزہ ہے، اتنا مزہ ہے کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے دل ایں شکر خوشتر یا آں کہ شکر سازد
اے دل ایں قمر خوشتر یا آں کہ قمر سازد

اے دل! یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا پیدا کرنے والا زیادہ میٹھا ہے۔ یہ دنیا کے حسین زیادہ اچھے ہیں یا ان کا بنانے والا زیادہ اچھا ہے۔ اور یہ حسین تو کچھ دن بعد سڑی ہوئی لاشیں بننے والے ہیں، آج جتنے حسین زمین کے اوپر ہیں کل سب کے سب زمین کے نیچے ہوں گے، ان کے گالوں اور آنکھوں کا پتہ بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کسی سے دل نہ لگاؤ، یہ حسین کچھ

کام آنے والے نہیں ہیں، زندگی میں ہی دیکھتے ہی دیکھتے ان کی صورت، ان کا حلیہ بگڑ جاتا ہے، ان کی شکل بگڑ جاتی ہے پھر ان معشوقوں کا جغرافیہ بدلنے سے اس کے سارے عاشق اُدھر منہ کر لیتے ہیں۔ اس پر میرا ایک تازہ شعر ہوا ہے، جب حسینوں کے جغرافیے بدل جائیں گے تو تمہاری تاریخِ محبت بھی بدل جائے گی لہٰذا آج جن حسینوں سے دل لگا رہے ہو کل جب اُدھر جغرافیہ بدلا تو اِدھر تاریخ بھی بدلی، جغرافیہ حسینوں کا، تاریخ عاشقوں کی ؎

ادھر جغرافیہ بدلا ادھر تاریخ بھی بدلی
نہ ان کی ہسٹری باقی نہ میری مسٹری باقی

دنیا میں چین سے رہنے کا نسخہ

اسی لئے ان چیزوں سے دل مت لگاؤ ورنہ پچھتانا پڑے گا، رونا پڑے گا بس اللہ تعالیٰ سے دل لگاؤ، اس کی محبت سیکھو، پھر ان شاء اللہ جنگل میں، دریا میں، پہاڑ میں، شہر میں جہاں بھی رہو گے ہر وقت سارا عالم آپ کے ساتھ ہوگا، جنت بھی آپ کے ساتھ ہوگی اور آپ گُل بداماں ہوں گے یعنی جنت کی سی پُرسکون زندگی دنیا ہی میں عطا ہو جائے گی، آپ جس حالت میں بھی رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی آپ کے قلب تک پریشانی نہیں آسکے گی کیونکہ جب سوئٹزرلینڈ واٹر پروف گھڑی بنا سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نام کے صدقہ میں غم پروف دل بنا سکتے ہیں جس میں غم نہ پہنچے، پریشانی باہر تو ہوسکتی ہے جیسے دانہ نکل سکتا ہے، زکام ہوسکتا ہے، سر میں درد ہوسکتا ہے مگر دل غم پروف رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر حالت میں اپنے عاشقوں کو خوش رکھتے ہیں اور ان حسینوں کی ہر چیز میں خطرہ ہے کہ آج ہیں کل نہیں، آج بال کالے ہیں کل سفید ہو جائیں گے، بزنس آج کچھ ہے کل گھاٹا آگیا، بیٹا آج ہے کل نہ ہو، بیوی آج ہے کل نہ ہو، تو

ہمیں ان ساری چیزوں کا سہارا نہیں ہے، ہمیں صرف ایک اللہ کا سہارا ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے اللہ سے اتنا دل لگاؤ کہ سب کی محبت پر اللہ کی محبت غالب ہوجائے، بس اتنا ہی دل لگانا فرض ہے، اتنا زیادہ دل لگانا فرض نہیں ہے کہ انسان پاگل ہوجائے، اتنا عشق بھی جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کی بس اتنی ہی قید ہے کہ اگر مخلوق کی محبت پچاس فیصد ہے تو اللہ کی محبت اکیاون فیصد ہو، اللہ سے محبت ایک فیصد زیادہ ہو یعنی مخلوق کی محبت مغلوب ہو اللہ کی محبت غالب ہو۔

دُعا کے اول آخر درود شریف پڑھو

لیکن اس محبت کو حاصل کرنے کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے لیکن بغیر درود شریف کے دعا قبول نہیں ہوتی، لہٰذا ہر دعا کے شروع میں بھی اور آخر میں بھی درود شریف پڑھ لو، دعا قبول ہوجائے گی پھر اس کے بعد تین مرتبہ استغفار کرلو، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ اور یہ دعا کرو کہ اے اللہ! ہم نے آپ کا نام لیا لیکن جتنی محبت سے آپ کا نام لینا چاہیے ہم سے وہ حق ادا نہیں ہوا، بس آپ اپنی رحمت سے قبول فرمالیجئے اور اس کی برکت سے ہمیں بھی اپنی وہ محبت دے دیجئے جو محبت آپ اپنے اولیاء کو دیتے ہیں۔ اگر شیطان کسی کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تم تو ایسے نہیں ہو، تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ خدا تمہیں ایسی محبت دے تو اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ آپ کریم ہیں اور کریم کی تعریف محدثین نے یہ لکھی ہے کہ کریم وہ ہے جو نالائقوں پر بھی مہربانی کردے، تو ہم نالائق ہیں اور آپ کریم ہیں، ہم پر مہربانی کر کے اپنا کرم ہمیں پہنچایئے۔ اے اللہ! آپ کریم ہیں، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ اور ہم مانتے ہیں کہ ہم نالائق ہیں، ہم اپنے کو اس قابل سمجھ کر دعا نہیں کررہے ہیں کہ ہم اس قابل ہیں بلکہ ہم آپ کو لائق اور قابل سمجھ کر آپ سے مانگ رہے ہیں، یہ نالائق آپ کو لائق سمجھ کر آپ کے پاس آیا ہے۔

ایران کے بادشاہ کے پاس مکھیاں آرہی تھی، اس کے نوکر کا نام

رمضانی تھا، اس نے اپنے نوکر سے کہا ''رمضانی مگساں می آیند'' اے رمضانی مکھیاں آرہی ہیں، اس نے کہا ''حضور ناکساں پیش کساں می آیند'' نالائق لائق کے پاس آرہے ہیں، تو ہم اللہ سے یہی کہیں گے کہ یا اللہ! آپ کے پاس ہم نالائق حاضر ہوئے ہیں، آپ کریم ہیں، اپنے کرم کے صدقہ ہمیں اپنے اولیائے صدیقین کا ایمان ویقین اوران کا دردِ دل دے دیجیے، ہم جانتے ہیں کہ ہمارے سینے اس قابل نہیں ہیں، گندی شیشی میں کوئی عطر نہیں رکھتا ہے، لیکن آپ قادر مطلق ہیں، شیشی کو بھی صاف کرنا جانتے ہیں، آپ ہمارے دل کا تزکیہ کرنے پر بھی قادر ہیں، اگر ہمارے دل کے پیالے اس قابل نہیں کہ آپ کی محبت اس میں آسکے تو آپ تو اس قابل ہیں کہ آپ پیالے کی مرمت کرنا بھی جانتے ہیں، آپ ہمارا پیالہ ری کنڈیشن کرنا بھی جانتے ہیں اور نیا پیالہ عطا کرنے پر بھی قادر ہیں۔ بس پھر ان شاء اللہ شیطان آپ کے دل میں یہ وسوسہ نہیں ڈال سکتا کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات یعنی تم اس قابل نہیں ہو کہ اللہ سے اس کے اولیاء جیسا دل مانگ سکو تو ہم اللہ سے اپنا منہ دیکھ کر نہیں مانگ رہے ہیں، اس کی شانِ کرم دیکھ کر مانگ رہے ہیں ؎

بظاہر تو ہیں چھوٹی چھوٹی سی باتیں
جہاں سوز لیکن یہ چنگاریاں ہیں

جسم کے عناصر منتشرہ کیسے پُرسکون رہ سکتے ہیں؟

پھر کہتا ہوں کہ گناہوں سے بچنے میں جان کی بازی لگادو، اللہ پر جان فدا کردو، کوئی بھی گناہ ہو، شیطان اسے کتنا ہی مزیدار دکھائے، اس پر لعنت بھیجو، اللہ کو ناراض کرکے بندے کے لئے وہ مزہ حاصل کرنا مبارک نہیں ہے، منحوس ہے۔ مچھلی کو پانی میں سے نکال باہر کرنے والے جتنے بھی مزے ہیں وہ سب مچھلی کے لئے نامبارک ہیں۔ بتایئے! جو مزہ مچھلی کو پانی سے باہر نکال دے، وہ مزہ مچھلی کے لئے مبارک ہے یا منحوس ہے؟ ہمارا دل اللہ کے قرب کے دریا میں رہنا چاہتا ہے مگر

شیطان چاہتا ہے کہ آدمی سے گناہ کرواکے اللہ کے دریائے قرب سے دلوں کو نکال دے تا کہ یہ اللہ کا بندہ پریشان ہوجائے، اسی وجہ سے دنیا میں سب پریشان ہیں۔

پریشانی پر آج ایک نیا مضمون سن لو کہ جہاں پری آئے گی وہاں شانی بھی آئے گی، پریشانی میں پری ہے یا نہیں؟ بس جس نے پریوں سے دل لگایا اس نے پریشانی خود ہی مول لی کیونکہ پریشانی فوراً آجاتی ہے، اس کے آنے میں ذرا دیر نہیں ہوتی کیونکہ انسان کا جسم عناصر متضادہ منتشرہ سے بنا ہے یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا، تو جب آدمی کسی سے نفسانی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے معشوق کے عناصر متضادہ منتشرہ کو بھی اپنے اوپر لاد لیتا ہے یعنی اس کے عناصرِ منتشرہ کے ساتھ دوسرے کے عناصرِ منتشرہ بھی جمع ہوجاتے ہیں اور اس کا انتشار بڑھادیتے ہیں۔ اس لئے دوسروں کے عناصر کو اپنے اوپر لادنے کے بجائے اپنے عناصر کو اپنی روحانیت بڑھاکر مغلوب کرو، جتنی روحانیت غالب ہوتی چلی جائے گی سکون بڑھتا چلا جائے گا، جتنی روحانیت غالب ہوتی جائے گی، اتنے ہی ہمارے عناصر آرام میں ہوتے جائیں گے۔

جسم کے عناصر کے بے سکون ہونے کی علامت

اور جب عناصر پُرسکون نہیں ہوتے تو عبادت میں بھی خشوع نہیں ہوتا۔
ایک آدمی مسجد میں آیا اور اس نے نماز کی نیت باندھ لی مگر کبھی چہرہ کھجا رہا ہے کبھی کپڑے درست کررہا ہے، اسے دیکھ کر میرے مرشد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث پاک میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ

لَوْ خَشَعَ قَلْبُ هٰذَا خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ

(کنزالعمال، ج۳، ص۱۴۴، رقم الحدیث ۵۸۹۱)

کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا، جس کے دل میں سکون نہیں ہوگا اس کے اعضاء بھی پریشان رہیں گے، دل تمام اعضاء کے

لئے بادشاہ ہے، بادشاہ سکون میں ہوتا ہے تو ساری رعایا سکون میں ہوتی ہے، دل سکون میں ہوگا تو اعضاء سکون میں ہوں گے ۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

یعنی جب دل بدل گیا تو ساری دنیا بدل گئی، لہٰذا جب اللہ کے سامنے کھڑا ہو تو دل کو حاضر کرے، جب دل بھاگے تو اسے پکڑ کر لے آئے، نماز میں دل لگانا فرض ہے دل لگنا فرض نہیں ہے، دل کا کام ہے بھاگنا اور ہمارا کام ہے اسے پکڑ کر واپس لانا۔ جب نیت باندھی اور خیال آیا کہ آج شہر میں ہمارے مال کا جہاز آیا ہوا ہے، اور دل مال میں لگ گیا تو اس کو پکڑ کر پھر حاضر کرو، اگر نماز میں سو دفعہ دل غائب ہو تو سو دفعہ اسے حاضر کرو، وہ بھاگتا رہے آپ اس کو پکڑتے رہیں، بس یہی خشوع ہے، اور نماز کے بعد تین دفعہ استغفر اللہ پڑھ لو تو سنت بھی ادا ہوجائے گی اور نماز میں جو کچھ کوتاہی ہوئی وہ بھی معاف ہوجائے گی کیونکہ ہر وقت کسی میں طاقت نہیں ہے کہ دل ایک جگہ ہی رہے، وسوسوں کا آنا ضروری ہے، وسوسہ تو آئے گا لیکن ایک ہے آنا اور ایک ہے لانا، آنے کا کوئی گناہ نہیں ہے البتہ لانا اور بات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ جلد نمبر ا میں باب الوسوسہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ الَّتِیۡ لَا وَسۡوَسَۃَ فِیۡہَا اِنَّمَا ھِیَ صَلَاۃُ الۡیَہُوۡدِ وَالنَّصَارٰی (راوہ مسلم)

(مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۲۶، مکتبہ رشیدیہ)

جس شخص کو کوئی وسوسہ نہ آئے اس کی نماز مسلمان کی نماز نہیں ہے، یہ بہت سخت

بات ہے اس لئے کہ قلب کے معنی ہیں ایک حالت پہ نہ رہنا، بدلتے رہنا، اسی سے انقلاب بنا ہے، اس لیے خیالات کبھی بھی آسکتے ہیں، بس ادھر توجہ نہ کرو، وسوسہ ہمارے لئے کوئی مضر نہیں ہے، چاہے وہ کفر کا ہو۔ لہٰذا وسوسوں پر توجہ نہ دیجئے، وسوسہ آنا علامتِ ایمان ہے۔

منتہائے محبت

آج ہم منیٰ کے اس مقام پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے محبوب بیٹے پر چھری چلائی، یہ بہت بڑی وفاداری اور محبت کا منتہائے مقام ہے، محبت کا آخری مقام ہے، اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کی برکت سے ہم سب کو اپنے نفس کو ذبح کرنے کی توفیق دے دے یعنی نفس کی جو بری خواہشات ہیں ہم مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس پر چھری چلا دیں، دونبیوں کے اس عمل کی برکت سے ہمیں اپنے نفس کو مغلوب کرنے کی توفیق دے دیجیے۔ اے اللہ! اس زمین کے اوپر آپ کے نبیوں کی وفاداری کا ایک قابلِ رشک کارنامہ ہوا ہے، یہ بہت بڑا عمل ہے، محبت کی انتہا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور وفاداری کا امتحان ہے، ایسے بندے اللہ کے وفادار ہوئے، اللہ تعالیٰ کی وفاداری یہ ہے کہ ان کی نافرمانی نہ کرے اور اگر نافرمانی ہوجائے تو پھر ناشتہ نہ کرے، پستہ بادام کچھ نہ کھائے، جب تک ان کو راضی نہ کرلے نہ چائے پیئے نہ انڈا کھائے، پہلے دو رکعات صلوٰۃ التوبہ پڑھ کر اللہ سے روئے پھر ان کی نعمت کھائے۔ کبھی انسان سے غلطی ہوجائے، خطا ہوجائے، فوراً توبہ کرلو۔ ایک توبہ تو اسی وقت کرلو پھر جب گھر پر جاؤ تو دو رکعات صلوٰۃ التوبہ بھی پڑھ لو، اگر باوضو ہو تو وہیں پڑھ لو، اللہ سے معافی مانگ لو، جب تک توبہ نہ کرے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو استعمال نہ کرے حالت

ناراضگی میں پہلے توبہ استغفار کرے، اللہ کو راضی کرے پھر بیشک چائے پی لے، مثلاً نیند کے غلبہ سے نماز رہ گئی، پہلے نماز پڑھو پھر ناشتہ کرو۔

ذکر کو شکر پر مقدم کرنے کا راز

اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں شکر کو بعد میں بیان فرمایا اپنے ذکر کو پہلے بیان فرمایا:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۝﴾

(سورۃ البقرۃ، آیت:۱۵۲)

کیونکہ شکر کا تعلق نعمت سے ہے اور ذکر کا تعلق نعمت دینے والے سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر کو مقدم فرمایا، فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ علامہ آلوسی فرماتے ہیں لِمَا ذَا قَدَّمَ اللہُ تَعَالٰی ذِكْرَهٗ عَلٰی شُكْرِهٖ اللہ نے ذکر کو پہلے کیوں بیان کیا اور شکر کو بعد میں کیوں بیان کیا؟ اس پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات بیان کی جو اس وقت بہت اہم تفسیری نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کو شکر پر کیوں مقدم کیا ہے؟ پہلے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تم لوگ ہمارا شکر ادا کرو؟ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ شکر کو بعد میں کیوں بیان کیا؟ علامہ آلوسی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ذکر کا حاصل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا۔

اِنَّمَا قَدَّمَ اللہُ تَعَالَی الذِّكْرَ عَلَی الشُّكْرِ لِاَنَّ فِی الذِّكْرِ اِشْتِغَالًا بِذَاتِهٖ وَفِی الشُّكْرِ اِشْتِغَالًا بِنِعْمَتِهٖ وَالْاِشْتِغَالُ بِذَاتِهٖ تَعَالٰی اَوْلٰی مِنَ الْاِشْتِغَالِ بِنِعْمَتِهٖ

(روح المعانی، ج۲، ص۵۷۱، مکتبہ رشیدیہ)

ذکر کا حاصل یہ ہے کہ تم نعمت دینے والے کے ساتھ مشغول ہو جاؤ اور ان کی یاد میں لگے رہو۔ اور حاصلِ شکر کیا ہے؟ اَلْاِشْتِغَالُ بِالنِّعْمَةِ شکر کا حاصل یہ ہے کہ تم نعمت میں مشغول ہو جاؤ۔ تو نعمت دینے والے کے ساتھ مشغولی

کیا نعمت کے ساتھ مشغولی سے افضل نہ ہوگی؟ اس لئے ذکر کو شکر پر فضیلت ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو پھر نعمت کھاؤ، اللہ کو ناراض کر کے نعمت کھانا غیر شریفانہ حرکت ہے، جو بیٹا باپ کو ناراض کیے ہوئے ہو، وہ چوری چھپے چور دروازہ سے آتا ہے اور باپ کی میراث اور ملکیت سے کھاتا ہے اور اماں سے چپکے سے کہتا ہے کہ دیکھو! ابا دیکھنے نہ پائے، اگر ابا کہیں پیچھے سے آتا ہے تو جلدی سے اماں سے کہتا ہے کہ چھپا کر ناشتہ دے دو کیونکہ ابا دیکھ رہے ہیں، ڈنڈا لئے بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی کھانا پینا ہے، اسی لئے ان کے کھانے پینے میں مزہ نہیں ہے، جتنے نافرمان ہیں ان کو کھانے پینے کا مزہ نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ کو راضی کرلو تو تمہاری دنیا بھی مزیدار ہوجائے، اللہ کی راہ میں دنیا بھی مزیدار ہوتی ہے، اللہ والے سوکھی روٹی میں جو مزہ پاتے ہیں وہ دنیا دار بریانی میں نہیں پاسکتے۔ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوتے ہیں اس کو ہر چیز میں لذت ملتی ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر

تو میں نے اس آیت سے ابھی استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم ہمیں یاد کرو ہم تم کو یاد کریں گے۔ لیکن کس بات سے یاد کریں گے؟

فَاذْكُرُوْنِيْ بِالطَّاعَةِ

(روح المعانی، ج۲، ص۵۷۱، مکتبہ رشیدیہ)

یعنی تم ہم کو یاد کرو اطاعت کے ساتھ، اَذْكُرْكُمْ بِالْعِنَايَةِ ہم تم کو یاد کریں گے اپنی عنایت کے ساتھ۔ یعنی جماعت کی نماز ہو رہی ہے اور ہم بیٹھے اللہ اللہ کر رہے ہیں، جماعت سے نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، جس وقت کی جو اطاعت ہے اسے ادا کرو، حج میں شیطان کو کنکری مارنے کی اطاعت لاکھوں نمازوں

سے افضل ہے، یا اگر ماں باپ بیمار ہیں تو جب تک ان کو ہماری خدمت کی ضرورت ہے ہم اس وقت تک تبلیغ میں نہیں جاسکتے، غرض جس وقت کا جو دینی کام ہے وہی اطاعت ہے، وہی اس وقت کا ذکر ہے، فارغ وقت میں بیشک آپ اللہ اللہ کرو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہ بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھی ہے کہ

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ اَیْ فَاذْكُرُوْنِيْ بِالطَّاعَةِ اَذْكُرْكُمْ بِالْعِنَايَةِ

(روح المعانی، ج۲،ص۱۷۵،مکتبہ رشیدیہ) (بیان القرآن ج۱،ص۹۶ تالیفات اشرفیہ ملتان)

تم مجھے یاد کرو میری اطاعت سے، میں تم کو یاد کروں گا اپنی عنایت سے، تم اپنی اطاعت سے ہم کو یاد کرو ہم اپنی عنایت سے تمہیں یاد کریں گے۔ اس پر ایک اشکال تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم ہمیں یاد کرو تو ہم تمہیں یاد کریں گے، لیکن اگر ہم اللہ کو نہیں یاد کریں گے تو کیا اللہ تعالیٰ ہم کو بھول جائیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ کسی کو بھول بھی جاتے ہیں؟ بھولنا چوکنا تو اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تو بلوں میں چیونٹی کو بھی نہیں بھولتا، تو پھر یہاں یاد کے کیا معنی ہیں؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ یاد تو کافر کو بھی رکھتا ہے مگر غضب سے یاد رکھتا ہے اور اپنے دوستوں اور اولیاء کو یاد رکھتا ہے اپنی عنایت کے ساتھ، شفقت کے ساتھ، رحمت کے ساتھ۔ اس لئے حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ پر قربان ہو جاؤں کیا بہترین تفسیر کی ہے، فَاذْكُرُوْنِيْ بِالطَّاعَةِ تم ہم کو یاد کرو ہماری فرماں برداری کے ساتھ یعنی جس وقت کی جو اطاعت ہے اسے ادا کرو، جیسے ماں باپ بیمار ہیں اور دوا لانی ہے اب کسی کے لیے نفل جائز نہیں۔ یہ نہیں کہ آپ مراقبے میں بیٹھے ہوئے

ہیں، اب عرش پر نہ رہیے فرش پر رہیے، اہلِ فرش کا حق ادا کیجیے۔ تو حضرت تھانوی نے اپنی تفسیر میں یہ دو لفظ اور بڑھا دیئے یعنی اطاعت اور عنایت، تم لوگ ہمیں یاد کرو ہماری اطاعت سے، ہم تمہیں یاد کریں گے اپنی عنایت سے۔

ایک علمِ عظیم

اب ایک چیز عرض کرنی ہے جو میرے رب نے منیٰ میں مجھے عطا فرمائی ہے، اب جو علمی جواب بیان کر رہا ہوں حق تعالیٰ نے اسی مقام پر عطا فرمایا ہے کہ ایک حوض میں شربت ہے، اس میں ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں، جب آپ ٹونٹی کھولیں گے تو اس میں سے شربت روح افزاء نکلے گا لیکن کسی نے ٹونٹی میں تھوڑی سی کوئی کڑوی چیز لگا دی تو اگر وہ شخص پریشر سے ٹونٹی کھولے گا تو اس کی کڑواہٹ محسوس بھی نہیں ہوگی، غالب شربت ہی رہے گا۔ ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ راضی ہیں، دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ کے تعلق کی برکت سے قلب میں اللہ کی محبت کی مٹھاس کا شربت بھرا ہوا ہے، اب دنیا کی کوئی بھی مصیبت آئے گی مثلاً نزلہ زکام ہوگیا یا کسی کا انتقال لیکن اس شربت کی مٹھاس کی وجہ سے اس کی زندگی بہت ہی پُرسکون ہوتی ہے، موافق حالت ہو یا ناموافق حالت ہو چاہے کوئی بھی حالت ہو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے، جیسے موافق حالت میں شکر سے اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے تو ناموافق حالت میں صبر سے اللہ تک پہنچتا ہے۔

دعا نازل شدہ بلاؤں اور آنے والی بلاؤں کو دُور کرتی ہے

اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ دعا تین قضاؤں کے لئے مفید ہے، نمبر ایک: مُنَزَّل یعنی جو قضا نازل ہو چکی ہے:

((اِنَّ الدُّعَآءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ))

(مشکوٰۃُ المصابیح (قدیمی)، کتابُ الدعوات، ص:۱۹۵)

نمبر دو: قضاء معلق یعنی ابھی قضا نازل نہیں ہوئی ہے آنے والی ہے، اگلے مہینہ میں آنے والی ہے یا اگلے سال آنے والی ہے، اس کے لئے بھی دعا کرلو کہ اے خدا! جو بلائیں آپ نے آئندہ کے لئے لکھی ہیں آپ اپنی رحمت سے اپنے نبی کے وعدہ کے مطابق اِس دعا کی برکت سے ہم کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھیئے۔ تو دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان بلاؤں کو بھی دور کردیتے ہیں جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہیں، آئندہ نازل کرنے کی مشیت الٰہی ہے، لہٰذا اے اللہ! آپ ہمارے لئے، ہمارے بچوں کے لئے ان بلاؤں کے بھی فیصلے بدل دیجیے جو آپ نے لکھے ہوئے ہیں کیونکہ آپ کے نبی نے فرمایا اِنَّ الدُّعَآءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ جو بلاء ابھی نازل نہیں ہوئی دعا اس کے لئے بھی مفید ہے۔

اور تیسری قضاء ہے مبرم، قطعی وہ ضرور آئے گی، وہ رفع درجات کے لئے ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللهِ مَنْزِلَةٌ لَّمْ یَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللهُ فِیْ جَسَدِهٖ اَوْ فِیْ مَالِهٖ اَوْ فِیْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰی ذٰلِكَ حَتّٰی یُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللهِ۔ راوہ احمد وابو داؤد))

(مشکوٰۃ المصابیح (قدیمی)، کتاب الجنائز باب عیادت المریض ص ۱۳۷)

اللہ نے کسی بندہ کے لئے اعلیٰ مقام لکھا ہوا ہے مگر وہ عمل میں کمزور ہے جس کی وجہ سے اس مقام پر نہیں پہنچ سکتا تو اس کے جسم پر مال اور اولاد پر کوئی بلا آئے گی اور اللہ اس کو صبر کی طاقت بھی دیں گے، اور صبر کا پرچہ بھی خود حل کرادیں گے، یہاں صَبَرَ نہیں فرمایا صَبَّرَ فرمایا یعنی اللہ اس کو صبر کی طاقت بھی دے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس مقام پر اسے پہنچادیں گے جو اس کے لئے لکھا ہوا ہے۔ تو قضاء مبرم یعنی قطعی قضا دعا سے بھی نہیں بدلتی، وہ ہمارے رفع درجات کے لئے آتی ہے جس سے ہمیں اعلیٰ مقام ملتا ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر

یہ اشکال قائم کیا ہے کہ قضاء مبرم یعنی جو قطعی فیصلے ہیں اگر وہ دعا سے نہیں بدلتے تو پھر دعا کا کیا فائدہ ہے؟ کیونکہ دعا مانگنے پر بھی وہ تو آکر ہی رہے گی۔تو فرماتے ہیں کہ دعا وہاں بھی کرنی چاہیے کیونکہ آپ کو کیا خبر کہ یہ قطعی ہے، ہوسکتا ہے یہ بھی بدلنے والی ہو، کیا آپ کو کوئی وحی آئی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں کہ یہ قضاء مبرم ہے؟ ہوسکتا ہے یہ معلق ہو،لہٰذا دعا کی سنت ادا کرو۔

دعا کی ایک خاص برکت

ملّاعلی قاری محدث عظیم مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ ایک بات کہتا ہوں کہ دعا کی برکت سے یہ قضاء مبرم یعنی نہ ٹلنے والی قضاء بھی جو ہمارے درجات کی ترقی کے لئے آرہی ہے دعا کی برکت سے لذیذ کردی جاتی ہے

بَلْ يَتَلَذَّذُ بِالْبَلَاءِ كَمَا يَتَلَذَّذُ اَهْلُ الدُّنْيَا بِالنَّعْمَاءِ

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الدعوات ج۵ص ۱۲۲،مکتبہ رشیدیہ)

دعا کی برکت سے اس قضا کی تکلیف کو اللہ تعالیٰ ایسا لذیذ کردیتے ہیں جیسا اہلِ دنیا لذیذ نعمتوں کو کھاتے ہیں اس طرح سے اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو لذیذ کردیں گے یعنی اس کو پریشانی نہیں رہے گی، وہ بلا، بلا نہیں رہے گی، اللہ تعالیٰ دعا کی برکت سے بلوہ کو حلوہ بنادیں گے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں امتحان اور آزمائش کے لئے کیڑے پیدا کردئے تھے (روح المعانی ج۱۷،ص ۱۰۶، مکتبہ رشیدیہ) اور پھر ان کے دل میں کیڑوں کی محبت ڈال دی اور اتنی محبت ڈالی کہ اگر کوئی کیڑا نظر نہیں آتا تھا تو اس کے لیے پریشان ہوتے تھے اور اسے اس طرح ڈھونڈتے تھے جیسے بیٹا گم ہوجانے پر باپ پریشان ہوکر اس کو تلاش کرتا ہے۔

دادہ ام ایوب را مہر پدر
بہرِ مہمانی کرماں بے ضرر

اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو کیڑوں کی محبت ایسی دی تھی جیسے باپ کو اپنے بیٹوں سے ہوتی ہے، ان کے دل میں کیڑوں کی مہمانی رکھ دی تھی۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ کیڑوں کو اللہ نے الہام فرمایا تھا کہ اے کیڑو خبردار! تم میرے ایوب کو تکلیف مت دینا لہٰذا وہ ایوب علیہ السلام کو کاٹتے نہیں تھے۔ (روح المعانی ج ۱۷، ص ۱۰۶، مکتبہ رشیدیہ)

اسی طرح جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگلا تھا اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کو حکم دیا تھا کہ اے مچھلی یہ تیری غذا نہیں ہے، یہ میرا نبی ہے، میں نے تیرا پیٹ اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے، کھانے کے لئے نہیں بنایا ہے، (روح المعانی ج ۱۷، ص ۱۱۰، مکتبہ رشیدیہ) خبردار! اسے پیسنا مت، معدے کی حرکت روک لے۔ خدا چاہے تو آفتاب کی شعاعوں کو روک سکتا ہے، دریا کی موجوں کو روک سکتا ہے، وہ بہت بڑی قدرت والا ہے۔ تو تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا یہ میرا نبی ہے، تیرا پیٹ میں نے اس کے لئے معراج بنایا ہے، اس کو تیرے پیٹ میں معراج دینی ہے، اس کو تیرے پیٹ میں قید رکھنا ہے لہٰذا اس کو کھانا مت، یہ میری امانت ہے، لہٰذا اس مچھلی کا معدہ ہی روک دیا گیا، معدہ میں حرکت ہی نہیں ہوئی، ورنہ معدہ خود بخود ہضم کرنا شروع کر دیتا ہے لیکن اللہ کے حکم کے سامنے معدہ بھی مخلوق ہے، اسے بھی تو خدا ہی نے بنایا ہے۔ جب اللہ کی بنائی ہوئی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھول بن سکتی ہے تو مچھلی کے معدے کو اللہ نہیں روک سکتا؟

انبیاء اور صحابہ پر اعتراض کرنے والے اپنے ایمان کی خیر منائیں

بعض نالائقوں نے یہاں یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام بغیر انتظارِ وحی مستقر سے کیوں ہٹ گئے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب نالائق ہیں، انہیں دین کی سمجھ نہیں ہے، جنہوں نے نبی پر اعتراض کیا

نعوذ باللہ، یہ قرآن کو نہیں سمجھتے ہیں، یہ کیسے امتی ہیں، آج کل کے یہ امتی نبیوں پر بھی ہاتھ صاف کرتے ہیں، صحابہ پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ ذرا اس بات کو سوچئے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے، اس کے کان بھی کھینچتا ہے تو کیا پوتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ دادا نے ابا کو یوں کیا، آؤ ہم بھی ایسا ہی کریں۔

تعلیمِ ادب

ایک صاحب نے کہا کہ حق بات ظاہر کرنے میں کیا حرج ہے؟ مان لو کہ صحابہ سے کوئی اجتہادی غلطی ہوئی جو چاہے حق ہو لیکن حق بات ہر جگہ ظاہر کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی اپنی اماں سے کہے اے میرے باپ کی بیوی مجھے چائے پلا دے۔ تو یہ حق بات ہے یا نہیں؟ اس کی ماں اس کے باپ کی بیوی ہے یا نہیں؟ لیکن یہ حق بات بیان کرنے کے جواب میں چائے ملے گی یا ڈنڈا؟ یہ مسٹنڈا انڈا نہیں ڈنڈا کھائے گا۔ اس لئے حقیقت یہی ہے کہ امتی کے ذمہ اللہ تعالیٰ، انبیاء اور صحابہ کا ادب ضروری ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝﴾

(سورۃ الشعرآء، آیت:۸۰)

جب میں مریض ہوتا ہوں تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ جب خدا ہمیں مرض دیتا ہے، حالانکہ حق بات تو یہ ہے کہ مرض تو اللہ ہی دیتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عیب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی، اپنی طرف کی، یہ نہیں کہا کہ جب خدا مجھے بیمار کرتا ہے بلکہ یہ کہا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں۔ تو قرآن نے خود ادب سکھایا ہے۔

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کیا حالانکہ خدا کے حکم سے کیا تھا مگر فرماتے ہیں:

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾

(سورۃ الکھف، آیت:۷۹)

میں نے ارادہ کیا کہ میں کشتی کو عیب دار کردوں، عیب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی حالانکہ حقیقت کیا تھی؟ حق بات کیا تھی کہ اللہ ہی نے تو کشتی کو عیب دار کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو قتل کیا اس کو بھی فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ اس کو قتل کروں حالانکہ اس کا حکم بھی اللہ ہی نے دیا تھا۔

﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾

(سورۃ الکھف، آیت:۸۲)

لیکن جب یتیم بچوں کی دیوار سیدھی کرنے کی باری آئی تو کہا کہ:

﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾

(سورۃ الکھف، آیت:۸۲)

یعنی اللہ نے ارادہ کیا کہ دیوار سیدھی کردی جائے، تو دیوار کا سیدھا کرنا ایک اچھا کام تھا اس لیے اب اس کی نسبت اللہ کی طرف کردی۔ تو یہ ادب تو ہمیں قرآن سکھا رہا ہے، نالائقو! تم ادب کرنا کیا جانو، تم تو چند کتابیں پڑھ کر علامہ بن گئے، کسی اللہ والے سے ادب سیکھتے تو پھر سارا قرآن ادب سے سر آنکھوں پر رکھتے۔

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ......کا صحیح ترجمہ

تو علامہ آلوسیؒ اور حضرت تھانویؒ نے اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا (سورۃ الانبیاء آیۃ ۸۷) کا جواب دیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے بغیر انتظارِ وحی کے بستی کیوں چھوڑ دی تھی تو فرماتے ہیں کہ تین وجہ سے بستی چھوڑی تھی۔ نمبر ۱: مُغَاضِبًا لِّرَبِّهٖ، ان نالائقوں نے مُغَاضِبًا کا ترجمہ کیا ہے کہ نعوذ باللہ اپنے رب سے ناراض ہوگئے تھے۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ان کو سخت دھوکہ لگا ہے، اصل میں مُغَاضِبًا میں عبارت محذوف ہے لِرَبِّهٖ جس میں لام تعلیلیہ ہے، اَیْ لِاَجْلِ رَبِّهٖ یعنی اپنے رب کی

خاطر ناراض ہورہے تھے کہ میرے ان نالائق امتیوں نے میرے رب کی نافرمانی کیوں کی؟ ان کی ناراضگی اللہ کے لئے ہی تھی، اَلْبُغْضُ فِی اللّٰہِ ہی تھا، لیکن ان نالائق لٹریچر نویسوں نے مُغَاضِبًا کو یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ حضرت یونس علیہ السلام اپنے رب سے ناراض ہوگئے تھے کہ ہمارے رب نے ان پر عذاب کیوں نازل نہیں کیا۔ تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا مُغَاضِبًا لِّاَجْلِ رَبِّہٖ ان لوگوں سے ناراض ہوئے اور دوسری وجہ تھی حَمِیَّۃً لِّدِیْنِہٖ (روح المعانی ج ۱۷، ص ۱۱۰ مکتبہ رشیدیہ) کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنے رب کی خاطر دینی غیرت کی وجہ سے اپنی امت سے ناراض ہوئے تھے۔

اور تیسری وجہ تھی وَ اِعْتِمَادًا عَلٰی مَحَبَّۃِ رَبِّہٖ (بیان القرآن ج ۲، ص ۴۹۷ و مسائل السلوک ص ۲۳ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان) یہ تیسرا جملہ تو غضب کا ہے یعنی اپنے رب کی محبت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی امت سے ناراض ہوئے تھے، جیسے بعض وقت آدمی کو کسی سے محبت ہے اور وہ اس کا قلم لے کر بغیر اس کی اجازت کچھ لکھ دے تو چونکہ اس پر اعتماد ہے کہ یہ ہم سے ناراض نہیں ہوں گے بلکہ انہیں خوشی ہوگی تو حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اپنے رب کی محبت پر اعتماد کیا۔ یہ تین جواب حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن کے حاشیہ میں لکھے ہیں یعنی مُغَاضِبًا لِّرَبِّہٖ اَیْ لِاَجْلِ رَبِّہٖ حَمِیَّۃً لِّدِیْنِہٖ وَ اِعْتِمَادًا عَلٰی مَحَبَّۃِ رَبِّہٖ اپنے رب کی محبت پر اعتماد کیا، لہٰذا جن لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام پر اعتراض کیا ہے ان نالائقوں نے درحقیقت اپنا ہی منہ کالا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کے قید خانوں کی محبوبیت

اس وقت میں جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ ایک مہلک مرض ہے جس میں عام لوگ ہی نہیں علماء اور طلبہ بھی اس مرض میں گرفتار ہیں یعنی بدنظری کا گناہ۔ اس

سے بچنے میں جب تک جان کی بازی نہیں لگائیں گے اس سے بچ نہیں سکتے۔ اس کے لئے اللہ پاک نے قرآن مجید میں ہماری ہدایت کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ نازل فرمایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا اور مصر کی عورتیں دھمکی دے رہی تھیں کہ اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم تم کو قید خانے میں ڈال دیں گے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ سے بچنے کے لئے فرمایا:

﴿رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ﴾

(سورۃ یوسف، آیت: ۳۳)

اے میرے رب! جس گناہ کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں تو مجھے اس گناہ سے قید خانہ محبوب ہے۔ اس کے اندر تصوف کا بہت بڑا مسئلہ آ گیا کہ اگر کوئی عورت کہے کہ ہم تمہیں پٹوا دیں گے، تمہیں ماریں گے اور اپنے شوہر سے کہہ کر تمہیں نوکری سے نکال دیں گے، تو تم یہ کہو رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ اے ہمارے رب! قید خانہ مجھے محبوب ہی نہیں احب ہے۔ احب محبوب سے بھی اونچا ہوتا ہے یعنی انتہائی محبوب۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں قید خانہ محبوب تھا؟ کیونکہ یہ اللہ کے راستے کا قید خانہ تھا۔ اس پر میں نے الٰہ آباد میں بیان کیا جہاں ندوہ کے بھی علماء تھے کہ اللہ تعالیٰ اتنے پیارے ہیں، اتنے محبوب ہیں کہ جب ان کے راستہ کے قید خانے بھی محبوب ہوتے ہیں تو ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے۔ الٰہ آباد والے مولانا شاہ محمد احمد صاحب یہ جملہ سن کر رونے لگے کہ یہ عجیب وغریب جملہ ہے، میں نے کہا کہ یہ اللہ نے میرے دل میں ڈالا ہے۔ جب محبوب تعالیٰ شانہ کے راستے کے قید خانے محبوب ہیں تو ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے۔ لہٰذا اللہ کے راستے میں کوئی کانٹا چبھ جائے، مثلاً شیخ ڈانٹ دے تو وہ خدا ہی کے راستہ میں شمار ہوگا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنی راہ میں وزن کریں گے کہ

تو نے ہماری وجہ سے شیخ کو پکڑا تھا، میری ہی وجہ سے تم اپنے شیخ سے محبت کرتے تھے، لہٰذا شیخ کی ڈانٹ ڈپٹ سے جو تم نے تکلیف اٹھائی ہے، شیخ کا ناز اٹھایا ہے آج ہم سے ان سب کا انعام لے لو کیونکہ یہ ہمارے راستہ کے کانٹے تھے جن کو تم نے پھولوں سے افضل سمجھا تھا۔ تو اللہ کے راستہ کے کانٹے کو اگر ساری دنیا کے پھول مل کر سلامی دیں تو بھی اللہ کے راستہ کے کانٹے کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کو نعمت سمجھو۔

اگر گناہ سے بچنے میں، نگاہ نیچی کرنے میں دل کو تکلیف ہو تو شکر کرو کہ آج میں نے اللہ کی توفیق سے نظر بچائی اور اللہ سے سودا کرلو کہ اے خدا! میں نے آپ کے خوف سے نظر بچائی، اپنی حلاوتِ بصارت قربان کی، آپ اس کے بدلہ میں حسبِ وعدۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حلاوتِ بصیرت عطا فرما دیں۔ تو اللہ سے حلاوتِ ایمانی اور ایمان پر خاتمہ کا سودا کرلو کہ جب آپ نے مجھے ایمان کی حلاوت دے دی تو اب حسنِ خاتمہ بھی مقدر فرما دیجیے، چونکہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو حلاوتِ ایمانی عطا فرماتے ہیں تو پھر کبھی واپس نہیں لیتے۔

شہادتِ باطنی معنوی

لیکن افسوس ہے کہ آج اللہ والوں کی صحبت میں بھی لوگ گناہ نہیں چھوڑتے کیونکہ نفس کو تکلیف ہوتی ہے، خدا کی راہ میں جو تکلیف پہنچ جائے تو اس تکلیف کو سمجھو کہ یہ ساری دنیا کی لذت سے بہتر ہے۔ صحابہ نے تو اللہ کے لیے گردن کٹوائی، خون بہایا، ایک ایک دن میں ستر صحابہ کرام شہید ہوئے تو اگر ہم لوگوں کے دل کو نظر بچانے پر ذرا سی تکلیف ہو رہی ہے تو اس قسمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر کسی شخص کو نظر کی حفاظت پر اتنا غم ہو کہ وہ چارپائی پر آ کر لیٹ جائے تو سمجھ لو کہ یہ

بہت بڑی نعمت کا مقام ہے اور حضرت تھانوی نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ جو سالکین اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے نفس کی خواہشات کا خون کررہے ہیں کیونکہ دل تو ان کے پاس بھی ہے بلکہ خدا کے عاشقوں کے اندر حسن پرستی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا نام لینے سے ان کے مزاج میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا وہ حسن کا جتنا ادراک کرتے ہیں ذکر سے غافل لوگ حسن کی اتنی باریک اور لطیف چیزوں کا ادراک نہیں کرسکتے ، اللہ کا نام لینے سے ان کے قلب میں لطافت پیدا ہوتی ہے اور لطیف چیز جلدی متاثر ہوتی ہے، لہٰذا یہ اللہ اللہ کرنے والے حسن سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، حسن کا جو اثر ان پر ہوتا ہے دنیاداروں پر نہیں ہوتا، لہٰذا جو شخص نظر بچانے کا غم برداشت کرے اور اللہ کے حکم کی تلوار سے اپنے دل کی خواہشاتِ نفسانیہ غیر شرعیہ کو کاٹتا رہے تو اس کے دل کے اندر خون ہوتا ہے، جب خواہش کا خون ہوا تو خون دل کے اندر بہا، دنیا نے نہیں دیکھا لیکن حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ سالکین شہیدوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے، اس کا نام حضرت تھانوی نے شہادتِ باطنی معنوی رکھا ہے، یہ شہادت نفس کے خلاف جہاد کرنے کی وجہ سے قیامت تک کے لئے ہے، اسی وجہ سے میں نے حیدرآباد دکن میں کہا تھا کہ ؎

ہائے جس دل نے پیا خونِ تمنا برسوں
اس کی خوشبو سے یہ کافر بھی مسلماں ہوں گے

یہ اس فقیر کا شعر ہے۔

نظر کی حفاظت سے نہایت قوی ایمان عطا ہوتا ہے

دیکھو! نظر بچانے کا مجاہدہ ایک دو دن کا مجاہدہ نہیں ہے، ساری زندگی کا مجاہدہ ہے، خصوصاً جو بزنس مین ہیں، ان کے پاس گاہک عورتیں آرہی ہیں وہ ان

کا ناطقہ بند کردیتی ہیں، یہ ڈاڑھی والے مولوی کا بھی ناطقہ بند کردیتی ہیں، اسے بھی حیرت زدہ کردیتی ہیں لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ والوں کی کچھ صحبتیں اٹھالے، جب دل میں اللہ کی محبت آجائے گی تو پھر نظر بچانے میں مزہ آئے گا۔ ان حسینوں سے نظر بچانے میں تکلیف تو بہت ہوتی ہے مگر یہ تکلیف ایسی ہی ہوتی ہے جیسے شامی کباب کھاتے وقت مرچیں لگتی ہیں اور آنسو نکلتے ہیں مگر اندر ہی اندر مزہ آرہا ہوتا ہے، جب نظر بچانے میں مزہ آئے گا تب خدا کا شکر ادا کرو گے کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے نظر بچانے کی توفیق دی، اسی لیے میں نے یہ شعر کہا تھا ؎

ہائے جس دل نے پیا خون تمنا برسوں
اس کی خوشبو سے یہ کافر بھی مسلماں ہوں گے

ان شاء اللہ نظر کی حفاظت کی برکت سے بہت درد بھرا ایمان عطا ہوگا پھر اللہ والوں کی صحبت کا اثر بھی ہوتا ہے کہ تقویٰ کے اختیار کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ وہ مٹھاس دے دیتے ہیں، ایسا ایمان و یقین بڑھاتے ہیں کہ پھر سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کا مزہ آجائے گا۔ اس زمانے میں نظر بچانا بہت سخت پرچہ ہے، دیکھئے! غیبت چھوڑنا آسان ہے، ایک تقریر میں ان شاء اللہ تعالیٰ کتنے لوگ غیبت چھوڑ دیتے ہیں، جھوٹ بولنا چھوڑ دیتے ہیں، جیب کاٹنا چھوڑ دیتے ہیں اور دیگر بری عادتیں چھوڑ دیتے ہیں لیکن نظر کی حفاظت کے معاملے میں اسّی اسّی برس کے بوڑھے فیل ہوجاتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس اسّی اسّی برس کے سالکین کے خطوط آتے ہیں کہ میں سب گناہ چھوڑ چکا ہوں لیکن مجھ سے نظر بازی کی عادت نہیں چھوٹتی ہے لہٰذا آخر عمر تک نظر بچانے کی کوشش کرتے رہو، نفس سے جہاد کرتے رہو ؎

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

اوران شاء اللہ آخر میں نفس کو تو ہی دبالے گا، اللہ تعالیٰ تجھے غالب کر دیں گے، لیکن کوشش کرتے رہنے سے یہ مرض کم ہوتا رہتا ہے۔ دیکھئے! ایک شخص ایک ہزار مرتبہ نظر خراب کرتا ہے، پھر کسی اللہ والے سے بیعت ہو گیا، اللہ اللہ کرنے لگا، کچھ عرصہ بعد آٹھ سورہ گئی پھر پانچ سورہ گئی، چند ماہ بعد کوشش کرتے رہنے سے اس کی دس بارہ مرتبہ نظر خراب ہونے لگی، کچھ اور دن کے بعد وہ بھی ختم ہو گئی، بس اب ذرا تھوڑا سا اِدھر اُدھر نظر کر لیتا ہے، اور کچھ عرصہ بعد وہ بھی ختم ہو جائے گا ان شاء اللہ! سرکش گھوڑے کو کتنا ہی سدھار لو لیکن کبھی کبھی وہ بھی شوخی دکھا دیتا ہے، جو بڑے بڑے کاملین ہیں کبھی کبھار ان کا نفس بھی شوخی دِکھا دیتا ہے، لیکن اللہ والوں کی صحبتوں کی برکت سے انہیں اس پر قابو پانا آجاتا ہے۔

بس اب یہ دعا کرلو کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت جو کچھ اپنی رحمت سے بیان کروایا ہے اسے قبول فرمائے اور جس طرح یا اللہ! حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی محبت میں، آپ کے حکم کی وفاداری میں اپنے بیٹے پر چھری چلائی، اسی طرح ہم لوگوں کو گناہِ صغیرہ، گناہِ کبیرہ اور جتنی برائیاں ہیں، اپنی رحمت سے ہم سب کو ان پر چھری چلانے کی ہمت عطا فرما، ان دونوں نبیوں کے اس عمل کے صدقہ میں یا اللہ! اس مبارک سرزمین پر جہاں یہ واقعہ پیش ہوا، اتنا بڑا عمل ہوا کہ اس کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا اور آپ نے اس کو قبول فرمایا اور اس کے بدلہ میں دنبہ بھیج دیا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بجائے دنبہ ذبح کر دیں، تو آج ہم اس مقدس مقام پر حاضر ہوئے ہیں، اللہ کے دروازے پر آئے ہوئے ہیں

مفلسا نیم آمدہ کوئے تو

اے اللہ! ہم سب مفلس آپ کے دروازے پر پڑے ہوئے ہیں

دست بکشا جانبِ زنبیل ما

آپ اپنا دستِ کرم بڑھایئے اور ہماری جھولیوں کو بھر دیجئے یا اللہ! اس زمین کے ہر ذرے کی برکت سے ہمیں بھی وفاداری کا انعام عطا فرما اور ہم سب کو اپنا وفادار بندہ بنالے، یا اللہ! ہم سب کو وفاداری کا اعلیٰ مقام عطا فرما، ہم سب کو اولیائے صدیقین میں شامل فرمالے، ہمارے سینوں میں وہ درد بھرا دل عطا فرما جو آپ اپنے اولیاء کو عطا کرتے ہیں، اپنی محبت کا وہ درد ہم سب کو نصیب فرمادے، اولیائے صدیقین کا مقام نصیب فرمادیجیے، دنیا کی محبت ہمارے قلوب سے نکال دیجیے، یا اللہ! اپنی محبت کو ہم پر غالب فرمایئے اور ہم سب کو اللہ والی زندگی نصیب فرمادیجئے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمادیجئے، ہماری پریشانیوں کو دور فرمادیجئے، زندگی میں برکت دے دیجئے، ہر سانس اللہ والی بنادیجئے اور ہم سب سے راضی ہوجایئے، اپنی ناراضگی کو ہم سب سے اٹھالیجئے، ہم کو، ہمارے گھر والوں کو، ہمارے تمام بھائی بہنوں کو، دنیا و آخرت دونوں جہان کی فلاح سے مالا مال فرمادیجیے۔ اور جو ہم نہیں مانگ سکے آپ بے مانگے اپنی رحمت کے دریا کے دریا بہادیجئے، یا اللہ! اپنے فضل سے ہمیں شکرگذاری نصیب فرمایئے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَآ

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى

خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ